پروفیسر ڈاکٹر روبینہ شاہین
شعبہ اردو، جامعہ پشاور۔
ڈاکٹر نیلم
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، فرنٹیر کالج برائے خواتین پشاور۔

"نگری نگری پھرا مسافر" ایک آدرشی ناول

(No candle, no buds, An Ideal Novel)

Professor Dr Robina Shaheen
Department of Urdu University of Peshawar.
Dr Neelam
Assistant Prof. Govt.Frontier College for Women, Peshawar.

"Nagri Nagri Phera Musafir" is an Ideal Novel

Nagri Nigri Phara Musafir" is a novel similar to the travelogue in terms of quality. While reading this novel, the reader tries to dig into the main idea at different levels, but basically a conscious and unconscious thought is seen in the novel. Which is an ideal character? This character seems to be active in the search for the ideal and this lack of search has made the character of this novel a tragic character. This ideal becomes the hell of his life. In which she is always burning and wandering. The novel presents social, economic, cultural and psychological challenges. The main character in this novel falls victim to idealism. This character contains countless frustrations. Fifty-five frustrations and the cold stamp of the people turned him into an anarchist. People want to love it, but it just keeps looking for the reality and the meaning of the universe. It is also linked to Sufism, but it does not find a solution.

Key Words: *Nagri Nigri Phara Musafir, Novel, Travelogue, Social, Economic, Psychological, Idealism.*

آدرش کی اصل سنسکرت ہے اور یہ اسم مذکر ہے۔ لفظ آدرش کے معنی پوشیدہ نمونہ، مثال، آئیڈیل، اعلیٰ اصول، مثالی نصب العین، اعلیٰ مقصد، نشان،، آئینہ، شیشہ مثالی، تخیلی اور نظریاتی کے ہیں۔ آدرش کی اصطلاح عام طور پر ایسی چیزوں کے لیے استعمال ہوتی ہے، جس کا تعلق خیالات سے ہو۔ جبکہ فلسفے میں آدرش سے مراد وہ بلند

ترین خیالات یا اعلیٰ مقاصد ہیں۔ جو انسانوں کے عمل، خیالات، خواہشات اور کردار کا نصب العین یا آخری منزل ہے۔ افلاطون سے برکلے تک تمام مثالی فلاسفر نے انسان کے تین آدرش بتائے ہیں۔ ان میں صداقت، حسن اور نیکی شامل ہے۔

آدرش ایک نفسیاتی رجحان ہے۔ یہ افراد زندگی بھر آدرش کے متلاشی رہتے ہیں اور ان کے آدرش پر ان کا کوئی بھی چاہنے والا پورا نہ اتر سکتا۔ اس لیے یہ افراد تمام عمر اپنے آئیڈیل کی تلاش میں سرگراں نظر آتے ہیں۔ ان افراد (کرداروں) میں ایک شعوری اور لاشعوری فکر نظر آتی ہے۔ جو ایک آدرشی کردار تراشتی ہے۔ یہ کردار آئیڈیل کی تلاش میں سرگرم عمل نظر آتی ہے اور یہی تلاش ان کو زندگی اور کردار المیاتی بناتے ہیں۔ یہی آدرش انکی زندگی کا جہنم بنتا ہے۔ جس میں وہ تمام عمر جلتے رہتے ہیں۔

اردو ادب میں آدرش اور ا آئیڈ یلزم کے رجحان کے زیر اثر تخلیق کیے گئے ناولوں کی بنیاد جنسیت اور نفسیات پر ہے۔ ان ناولوں میں ایک بنیادی فرق نظر آئے گا۔ وہ یہ کہ کہانی کی بجائے ان میں کرداروں پر زور دیا جاتا ہے۔ اور کرداروں کا نفسیاتی تجزیہ کیا جاتا ہے۔ ممتاز مفتی کے ناول ''علی پور کا ایلی''ایک ضخیم ناول ہے۔ اس میں واقعات موجود ہیں لیکن اس ناول کی بنیادی بات یہ ہے کہ اس پر فرائڈ اور ڈی۔ ایچ۔ لارنس کے اثرات بہت زیادہ ہیں، کرداروں کی نفسیاتی پیچیدگیوں کا ذکر خوبصورت طریقے سے کیا گیا ہے۔ اور بنیادی بات نفسیات کے حوالے سے کی گئی ہے کہ بچے کی شخصیت کی تعمیر کس طرح ہوتی ہے۔ اُسے جنس سے نفرت ہو جاتی ہے۔ اور عورت اُس کے لیے عورت نہیں بلکہ دیوی کا کردار بن جاتی ہے۔ اس ناول میں ایلی کے کردار کا ارتقائی سفر بہت اہم ہے۔ اُس کا باپ ہر جگہ جنسی فتوحات حاصل کرتا ہے۔ جس سے بچے کی شخصیت پر اثر پڑتا ہے اور وہ خوف کا شکار ہو جاتا ہے۔ ممتاز مفتی کا ایک اور اہم ناول ''الکھ نگری'' ہے زیادہ تر لوگوں نے اس ناول کو اُن کی خود نوشت قرار دیا ہے۔ اگر ''علی پور کے ایلی'' اور ''الکھ نگری کو ملا کر پڑھا جائے تو یہ احساس ہوتا ہے کہ ایک کردار جنس سے تصوف کی طرف کیسے سفر کرتا ہے۔

صدیق سالک کا اہم ناول ''پریشر ککر'' ہے اس ناول میں ایک مصور ''فطرت'' کا کردار ہے۔ اس ناول میں یہ بات بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ معاشرہ، فنکار کا ذہن اور داخلی سوچ جب آپس میں ٹکراتے ہیں۔ تو نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ یہ کردار زندگی اپنی مرضی کے مطابق گزارنا چاہتا ہے۔ مگر معاشرے میں موجود قیود کی وجہ سے ایسا کر نہیں پاتا۔ کردار کا مکمل نفسیاتی تجزیہ اس ناول میں موجود ہے۔

الطاف فاطمہ کے ناولوں میں نشان محفل، دستک نہ دو اور چلتا مسافر شامل ہیں ان کے ناولوں میں مختلف قسم کے کردار نظر آتے ہیں۔ یہ کردار اکثر داخلی بے چینی کا شکار ہوتے ہیں۔ اور آئیڈیلزم کا شکار ہوتے ہیں۔

رحیم گل کا ناول ''جنت کی تلاش'' بھی ایک آدرشی ناول ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ امتل کو اپنی منزل مل جاتی ہے جبکہ افگار آخر تک اپنے آدرش کو ڈھونڈنے میں سرگرمِ عمل رہتی ہے۔ ''جنت کی تلاش'' اور ''نگری نگری پھرا مسافر'' کے کردار دونوں ہی فلسفیانہ اور مدلل گفتگو کرتے نظر آتے ہیں۔

اس رجحان کا ایک بڑا اور اہم نام نثار عزیز بٹ بھی ہے۔ ان کے ناولوں کا موضوع آئیڈیلزم ہے۔ ان کے ناولوں میں نگری نگری پھرا مسافر، نے چراغے نے گلے، کاروان وجود اور دریا کے سنگ شامل ہیں۔ ''نگری نگری پھرا مسافر'' میں ایک بنیادی کردار ''افگار'' کا ہے جو کہ آئیڈیلزم کا شکار نظر آتی ہے۔ یہ کردار لاتعداد محرومیوں سے بنا ہے۔ بچپن سے محرومیوں اور احساس تنہائی نے اسے انتشار پسند بنادیا ہے۔ یہ کردار کائنات کی حقیقت اور معنویت تلاش کرنے میں لگی رہتی ہے۔ وہ تصوف سے بھی وابستہ ہے۔ نثار عزیز بٹ نے اپنے ناول ''نے چراغے نے گلے'' میں معاشرتی اور سماجی مسائل سے پردہ اٹھایا ہے۔

''نگری نگری پھرا مسافر'' نثار عزیز بٹ کا پہلا ناول ہے۔ تقسیم ہند کے بعد سماجی، معاشرتی اور بدلتے ہوئے حالات کے سبب لوگوں میں قنوطیت ابھری، کیونکہ انگریزوں کے غلامی کے بعد آزادی کا سورج طلوع ہوا، مگر یہ سورج اپنے ساتھ خون کا دریا بھی لایا۔ ملک میں فرقہ وارانہ فسادات، مسائل، اختلافات، بے روزگاری، بدنظمی اور سیاسی عدم استحکام شروع ہوا۔ ان تمام حالات سے ادب اور ادیب بھی متاثر ہوئے۔ اوران حالات کے پیش نظر نفسیاتی طور پر اداس اور قنوطی ذہنوں نے جنم لیا۔ لیکن ان حالات میں بھی حساس ادیبوں نے معاشرے کی اصلاح کی کوشش کی۔ نثار عزیز بٹ بھی اُن ادیبوں میں شامل رہی جنہوں نے ہمیشہ روشن مستقبل کے خواب دیکھے۔ ان کا ناول ''نگری نگری پھرا مسافر'' اِسی خواب کی تعبیر ہے۔

نثار عزیز بٹ کا ناول ''نگری نگری پھرا مسافر'' اُردو ناولوں میں اپنی طرز کا منفرد ناول ہے۔ یہ ناول ۱۹۵۵ء میں مکتبہ اردو، لاہور سے شائع ہوا۔ یہ ناول ۲۳۵ صفحات اور ۲۹ ابواب پر مشتمل ہے۔ انھوں نے ناول کا نام اردو کے نامور شاعر میراجی کے ایک شعر سے اخذ کیا ہے شعر کچھ یوں ہے:

نگری نگری پھرا مسافر گھر کا رستہ بھول گیا
کیا ہے تیرا؟ کیا ہے میرا؟ اپنا پرایا بھول گیا[1]

اس حوالے سے میرزا ادیب لکھتے ہیں:

''مصنفہ نے اپنے ان دونوں ناولوں کے عنوان دو الگ الگ شعروں سے اخذ کئے ہیں۔''نگری نگری پھرا مسافر گھر کا رستہ بھول گیا'' میراجی کی نظم کا ایک مشہور مصرع ہے۔'' (۲)

اس ناول میں معاشرتی، معاشی، تہذیبی اور نفسیاتی مسائل جلوہ گر ہوئے ہیں۔اس ناول کا نبیادی کردار آئیڈیلزم کا شکار ہے۔ یہ کردار لاتعداد محرومیوں سے بنا ہوا ہے۔ بچپن کی محرومیوں اور لوگوں کی سرد مہری نے اسے انتشار پسند بنا دیا ہے۔ لوگ اس سے محبت چاہتے ہیں، لیکن وہ کائنات کی حقیقت اور معنویت کی تلاش میں لگی رہتی ہے۔ وہ تصوف سے بھی وابستہ ہوتی ہے لیکن اس کو راستہ نہیں ملتا۔بقول ڈاکٹر عبد السلام:

''نگری نگری پھرا مسافر'' ایک عجیب وغریب بلکہ نارمل لڑکی کی کہانی ہے۔اس لڑکی کو بیک وقت دو دنیاؤں میں زندگی گزارتے ہوئے دکھایا گیا ہے ایک دنیا اس کے گردو پیش کی دنیا ہے۔ جس میں اس کا سابقہ اس کے شعور سے پڑتا ہے،دوسری دنیا اس کے لاشعور کی دنیا ہے اس کی زندگی کی باگ ڈور اس کے لاشعور کے ہاتھ میں ہے،اس کے فیصلے ہمیں خلاف عقل اوراحمقانہ نظر آتے ہیں۔'' (۳)

مرزا ادیب نے ناول کے پیش لفظ میں اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ کردار چونکہ زندگی بھر آدرش کا متلاشی رہا۔اور اس کے آدرش پر اس کا کوئی بھی چاہنے والا پورا نہ اتر سکا۔''نگری نگری پھرا مسافر'' چونکہ ہیت کے اعتبار سے سفر نامے سے ملتا جلتا ناول ہے۔ اس ناول کو پڑھتے پڑھتے قاری مرکزی خیال کو مختلف سطحوں پر کھنے کی کوشش کرتا ہے لیکن بنیادی طور پر اس ناول میں ایک شعوری اور لاشعوری فکر نظر آتی ہے۔ جو ایک آدرشی کردار تراشتی ہے۔ یہ کردار آئیڈیل کی تلاش میں سرگرم عمل نظر آتا ہے اور یہی تلاش اس ناول کا المیاتی کردار ہے۔ یہی آدرش ہی اسکی زندگی کا جہنم بنتا ہے، جس میں وہ ہمیشہ جلتی اور بھٹکتی رہتی ہے۔ ڈاکٹر ممتاز خان اِس کردار کے بارے میں کچھ یوں رقمطراز ہیں:

''اس ناول کا اگر تجزیہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس کا مرکزی خیال آدرش کی اسیری کے تحت خود پرست کردار کی شخصیت کا تحفظ ہے''۔ (۴)

''نگری نگری پھرا مسافر'' اپنے پلاٹ اور تکنیک کے حوالے سے ایک سادہ ناول ہے۔ ناول نگار نے تخیل، ذہانت اور حافظہ کے عناصر سے کام لیتے ہوئے ناول کے واقعات اور تجربات کو محسوسات کا جامہ پہنا دیا ہے۔ ناول ہیت کے اعتبار سے ایک سفر نامے کی شکل میں لکھا گیا ہے کہانی مرکزی کردار کے گرد گھومتی ہے۔ اس کے پلاٹ میں کوئی ضمنی کہانیاں نہیں اور شروع سے آخر تک کہانی ایک ہی ڈگر پر چلتی نظر آتی ہے۔ یوں اس کے پلاٹ کو سادہ پلاٹ کہا جا سکتا ہے۔ ادب کے ایک نامور محقق اور نقاد مرزا ادیب کے بقول:

''یہ ناول ایک قسم کا سفر نامہ ہے ایک آدرشی مسافر کا جو من کے اندر اور باہر دونوں نگریوں کا سفر کرتا ہے اور اپنے آدرش کی دھن میں آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔'' (۵)

نثار عزیز بٹ کی رائے میں ان کے ناولوں کا بنیادی خیال روایت اور جدت کی کشمکش سے عبارت ہے لیکن ان کی اس رائے تک شائد کوئی بھی نقاد رسائی نہ حاصل کر سکا۔ بغور مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مرکزی کردار ''افگار'' کا یہی آئیڈیلزم اور نفسیاتی الجھن بنیادی طور پر جدت سے متصادم ہے۔

ناول کے پلاٹ کو اگر چہ منظم پلاٹ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا، کیونکہ اس میں ناول نگار نے پے در پے واقعات کو بڑی خوبی کے ساتھ پیش کیا ہے، اس میں جذبات، احساسات، ناکامیوں، خوابوں اور خوف کو مختلف پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ ایک مخصوص فرد کے ذہنی کرب کو کسی نہ کسی طرح قاری تک پہنچایا گیا ہے۔ ''مرکزی کردار ''افگار'' کے بچپن سے لے کر جوانی تک کے حالات اور مخصوص نفسیاتی رویے سے قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ قاری کے دل میں افگار کے لیے ہمدردی اور محبت پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ وہ بچپن ہی میں ماں باپ کی نعمت سے محروم ہو جاتی ہے، اس کے بعد وہ کچھ عرصہ نانی کے گھر گزارتی ہے، نانی کے انتقال کے بعد خالاؤں اور پھوپھیوں کے حوالے کی جاتی ہے، اس کی پرورش اس کے رشتہ داروں کے لیے مستقل مسئلہ بنا رہتا ہے۔ چار سال کی عمر تک افگار ایک چچا سے دوسرے چچا اور ایک خالہ سے دوسری خالہ کے ہاں منتقل ہوتی رہی۔ ہر جگہ اس کے ساتھ بے نیازی کا سلوک کیا گیا۔ وہ محبت اور شفقت کے لیے ہمیشہ ترستی رہی۔ یہ وہ زمانہ ہے، جب انسان کی شخصیت کی بنیاد پڑتی ہے۔ ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ کس طرح خیالات کے افگار کے ذہن میں جڑ پکڑ رہے تھے، اس کے عزیزوں کا رویہ اس کی تعلیم کے سلسلے میں درست نہ رہا۔ لیکن ان تمام رویوں کے باوجود بھی وہ ذہنی صلاحیتوں سے بھرپور تھی، اور جس سکول میں جاتی جلد ہی بلندی پر پہنچ جاتی۔ رشتہ داروں کی بے رخی اور بے سہارا پن نے اس میں یہ احساس پیدا کر دیا کہ دنیا میں کوئی کسی کا نہیں ہوتا۔ اس لیے کسی پر بھی کوئی بھروسہ اور اعتماد نہیں کیا جا سکتا ہے۔

چچا کا گھر ہو یا سینی ٹوریم، نوشہرہ کی گھریلو زندگی ہو یا لاہور کی تعلیمی فضا ہر جگہ اسے چاہنے والے ملتے ہیں۔ لیکن وہ اپنے جذبات کو قابو میں رکھتی ہے منصور، نعیم، عرفان اور میجر عابد اس کی زندگی کے افق پر چمکنے والے ایسے ستارے ہیں۔ جو جلد ہی تاریکی میں ڈوب جاتے ہیں، کیونکہ روشنی کی ان لکیروں سے اس کی منطقی ہم آہنگی نہیں ہوتی ۔بچپن کے دنوں میں اس کے چچازاد منصور کی بے پناہ محبت اور دیوانہ وار چاہت اور ایم۔ ایس۔ سی کے زمانے میں عرفان کا عشق اس کو متاثر اور پریشان ضرور کرتی ہیں، لیکن وہ اسے اپنے آدرش کی راہ میں رکاوٹ نہیں بننے دیتی، وہ اپنا جذباتی توازن قائم رکھتی ہے۔ اگر افگار راہ حیات میں آسائشوں کی خوگر ہوتی۔ تو میجر عابد سے شادی کر سکتی تھی۔ مگر میجر عابد اس کی منتہائے منزل نہ تھا۔ اس طرح وہ بار بار اندھیرے سے روشنی میں آنے کے بجائے ازخود اور دبیز اندھیروں میں چلی جاتی ہے۔ محبت کے نام پر آنے والے لمحات اس کی زندگی میں مختصر ثابت ہوتے ہیں۔ ہر مرتبہ وہ کچھ عرصے کے لیے ٹوٹ کر بکھرتی ہے۔ اس کے پاؤں زخمی ہوتے ہیں مگر ایک شے جو اُس کی داخلی دنیا میں کسی صورت ختم نہیں ہوتی، وہ اُس کا آدرش ہے۔

ناول کا اختتام بھی کچھ زیادہ فنکارانہ اور منطقی نہیں لگتا۔ افگار ایم ایس سی کرنے کے بعد مزید تعلیم کے لیے لندن جاتی ہے۔ اس کا بھائی نوین لندن جاننے والوں میں ایک صاحب، کمال انور کا تعارف افگار سے کرتا ہے، اور یوں یہ آدرشی کردار کمال انور سے نیم فلسفانہ باتیں شروع کر دیتی ہے۔ جس کا کوئی مقصد نظر نہیں آتا اور ناول اپنے اختتام کو پہنچ جاتا ہے۔

قاری ابھی افگار کی زندگی کے پیچھے پیچھے سفر کرتا ہے اور اس کے انجام کے بارے میں کوئی نتیجہ نکالنا چاہتا ہے تو ناول کا اختتام ہو جاتا ہے۔ قاری یہ سوچتا ہے کہ ماضی میں کھوئے رہنے والی افگار جو اپنے آدرشوں کی خاطر منز ل کی تلاش میں بھٹکتی ہے، کیا اسے منزل مل جاتی ہے تو اچانک ناول ختم ہو جاتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے۔ جسے ناول نگار کی سمجھ میں ہی نہیں آ رہا کہ سفر ختم کر دینا چاہیے یا مسافر کے سفر کو انجام تک پہنچانا چاہیے۔ اس بات کی تائید ڈاکٹر عبد السلام نے کچھ یوں کی ہے:

> ''شاید اسکی وجہ مصنفہ کی سمجھ میں بھی نہ آئی ہو۔ اسلئے کہ تخلیقی عمل چاہے وہ ناول اورافسانے ہی کیوں نہ ہو مکمل طور پر شعور کے تابع نہیں ہوتا۔[۶]

یہاں ناول نگار کے لاشعور اور شعور کے درمیان ایک قسم کی جنگ ہوتی ہے اور آخر کار لاشعور غالب آ جاتا ہے۔ اس معمولی کمزوری کے باوجود ناول بڑی محنت سے لکھا گیا ہے اور ہیت کے اعتبار سے نیا تجربہ ہے، اس ناول کو

ایک سوانحی ناول کہا جائے تو غلط نہ ہو گا۔ یوں یہ ناول پلاٹ کے لحاظ سے اردو ادب کا میاب ناولوں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ اگر چہ پلاٹ کئی کئی جھول بھی نظر آتا ہے۔ لیکن اگر ہم سوانحی لحاظ سے جائزہ لیں تو اس ناول کو قراۃ العین حیدر کے سوانحی ناول ''کار جہاں دراز'' ہے کہ ہم پلہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ ناول کے مرکزی کردار افگار کے متعلق بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس میں لاشعوری طور پر ان کی اپنی شخصیت جھلکتی نظر آتی ہے۔ بقول ڈاکٹر عبد اسلام :

> ''اس ناول کے مرکزی کردار کے نام پر اگر غور کریں۔ تو یہ ایک علامتی نام نظر آتا ہے وہ ہمیشہ زخم خوردہ نظر آتی ہے۔ بہت ممکن ہے غیر شعوری طور پر مصنفہ نے یہ نام منتخب کر لیا ہو۔ بہر حال یہ نام نذیر احمد کے علامتی ناموں سے مختلف ہے۔ اس میں وہ بدنمائی نہیں۔ جو ابن الوقت، جان نثار، نصوح اور ظاہر دار بیگ وغیرہ میں نظر آتی ہے''۔ (۷)

افگار کا کردار عام کردار نہیں۔ بلکہ یہ ایک پڑھی لکھی لڑکی کا کردار ہے۔ جب ہم اس کردار کا مطالعہ کرتے ہیں۔ تو ہم اس نتیجہ پر بآسانی پہنچ جاتے ہیں کہ ''افگار'' علمی اور ذہنی لحاظ سے اعلی مقام پر ہے کیونکہ جب وہ حیات و ممات پر فلسفیانہ گفتگو کرتی ہے اور عالمی ادب کا حوالہ دیتی ہے۔ تو قاری اسکی عظمت اور فکری بلندی کا قائل ہو جاتا ہے۔ ناول میں افگار کے متعلق نثار عزیز بٹ یوں رقمطراز ہیں:

> ''Of Human Bondage نے اسکی قوت فکر کا رہا سہا زنگ بھی دور کر دیا۔ یہ سمرسٹ کا ایک طویل ناول تھا۔ جس میں ایک لنگڑے مرد کی نظریاتی کشمکش اور زندگی کے خلاف کشمکش بڑے موثر اور پرزور انداز میں پیش کی گئی تھی''۔ (۸)

''افگار'' کا کردار عالمی ادب سے روشناس ہے اور ناول میں جگہ جگہ قاری کو اسکی علمی عظمت کا احساس ہوتا ہے۔ یہ کردار ناول میں سورج کی مانند ہے اور ناول کے دیگر کردار اسی سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔ ناول میں ضمنی کردار منصور اور عرفان بھی فکری سطح پر جلوہ گر ہوتے ہیں اور کئی کئی پر یہ کردار بھی نثار عزیز بٹ کے فکری نظریات کو پیش کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ چونکہ خود ٹالسٹائی اور اسپنگلر کے نظریات سے متاثر ہیں۔ اس لئے ان کی تحریروں میں ٹالسٹائی اور اسپنگلر کے نظریات اور خیالات کا آنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ وہ اپنے ان خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کرتی ہیں:

'' خدا کے وجود یا غیر وجود سے اتنا بے خبر تھا اور جتنا کہ آج کل کے گائے بیل ہو سکتے ہیں۔وہ تو انسان نے عقل کی ترقی کے ساتھ ساتھ فطرت کی اتنی ساری قوتیں جب اپنی دسترس سے باہر دیکھیں۔تو اسے ایک عظیم اور طاقت ور ہستی کا خیال آیا جو درپردہ ان قوتوں پر حاوی ہو گی۔''(۹)

افگار کا کردار پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے۔جیسے کہ رحیم گل کا ناول'' جنت کی تلاش'' کا کردار ''امتل'' ہو۔امتل بھی افگار کی طرح آدرشی کردار ہے۔فرق صرف یہ ہے کہ امتل کو اپنی منزل مل جاتی ہے جبکہ افگار آخر تک اپنے آدرش کو ڈھونڈنے میں سرگرمِ عمل رہتی ہے۔'' جنت کی تلاش'' اور'' نگری نگری پھرا مسافر'' کے کردار دونوں ہی فلسفیانہ اور مدلل گفتگو کرتے نظر آتے ہیں۔زمانی لحاظ سے بھی دونوں ناولوں کا سنِ اشاعت ایک ہے۔لیکن نثار عزیز بٹ نے راقمہ کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ:

انھوں نے پاکستان اور سرحد(خیبر پختونخوا)کے ناولوں نگاروں کو نہیں پڑھا۔اس لئے وہ رحیم گل کے ناولوں اور کرداروں پر رائے دینے سے قاصر ہیں۔''(۱۰)

افگار کا کردار ناول میں جگہ جگہ ٹالسٹائی کے خیالات اور نظریات کا پرچار کرتا ہوا نظر آتا ہے کیونکہ مصنفہ کے دل و دماغ پر ٹالسٹائی کا ناول'' وار اینڈ پیس'' چھایا ہوا ہے۔ان کے بارے میں اگر کہا جائے کہ وہ تقدیر پرست ہیں تو کچھ غلط نہ ہو گا۔ان کے مطابق انسان کی حیثیت گھاس پھونس سے زیادہ نہیں ہوتی۔ان ہی خیالات کا اظہار وہ افگار کی زبانی کچھ یوں کرتی ہے:

''یہ سب دکھ درد میکانی قوتوں کا اعجاز ہیں جو اپنے تسلسل سے اپنی مخصوص راہوں پر عمل پیرا رہتی ہیں اور جن کے ایک دوسرے کے ساتھ تصادم سے حیات کے تمام چھوٹے بڑے المیے اور طربیے ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔اگر کسی لمحے یہ بس کسی راہ گیر سے ٹکرا جاتی اور وہ چکنا چور ہو جاتا تو اس کے دل میں قسمت اور خدا کے خلاف ایک خاموش لاشعور احتجاج نہ اٹھتا۔''(۱۱)

افگار کے کردار کا تجزیہ کرنے سے ایسا لگتا ہے کہ یہ کردار دو محاذوں پر زندگی کا سفر کرتی ہے۔داخلی محاذ پر وہ اپنے آپ سے جنگ میں مصروفِ عمل ہے۔جبکہ خارجی سطح پر وہ کسی کے سامنے جھکنا نہیں چاہتی۔وہ مردوں سے اس لئے خوف زدہ ہے کہ وہ جنسی محبت چاہتے ہیں۔اس لئے وہ منصور کے محبت کو رد کر دیتی ہے۔حالانکہ منصور اس کے

لئے مہاتما بن جاتا ہے۔ افگار کا خیال یہ ہے کہ منصور اس کے لئے روحانی مسافر ہے، لیکن جوں ہی افگار، منصور کی جسمانی قربت محسوس کرتی ہے، تو اس کی محبت کو رد کر دیتی ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ آدرش اور آئیڈیل ہونا اس کے لیے محض جنسی تحفظ کا نام ہے؟ کیونکہ افگار اس لیے مردوں سے دور بھاگتی ہے کہ وہ اس سے جنسی محبت کے طلب گار ہیں۔ لیکن کیا یہ بھی فطری تقاضوں کے منافی نہیں کہ صرف روح سے محبت کر کے ہی انسان عظمت پر پہنچ جائیں۔ کیا نثار عزیز بٹ جنسی تقاضوں کو آدرش کے منافی خیال کرتی ہیں؟ شاید یہی وجہ ہے کہ ''افگار'' اس افلاطونی محبت کی وجہ سے ذہنی اور جسمانی بیماریوں کا شکار ہو جاتی ہے اور زندگی کی بہت سی قدروں سے دور چلی جاتی ہیں۔ افگار کے اس رویے کو کسی طور صحیح تسلیم نہیں جاسکتا۔ افگار کے اس رویے کے متعلق ڈاکٹر خالد اشرف کہتے ہیں:

> ''نگری نگری پھرا مسافر'' کی ہیروئن افگار جو انتہائی خواب زدہ اور رومان پرست ہے۔ منصور سے محبت کرتی ہے لیکن عشق میں جدائی کی کسک بر قرار رکھنے اور اپنے جذبہ عشق کو ابدی بنانے کے لئے اس سے شادی نہیں کرتی۔ وہ اِس قدر سیمابی مزاج کی حامل ہے کہ مختلف اوقات میں مختلف مردوں کو اپنی طرف ملتفت کرتی ہے۔ لیکن کسی کے ساتھ بھی کامیاب زندگی بسر نہیں کر پاتی اور آخر میں وہ تنہارہ جاتی ہے۔''(۱۲)

افگار اپنے آدرش کی خاطر نعیم، عابد اور عرفان کی محبت کو بھی رد کرتی دیتی ہے۔ وہ ان جذبوں سے فرار چاہتی ہے جو اس کو اس کے آدرش سے دور کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے۔ جیسے ''افگار'' فراریت کا راستہ تلاش کرتی ہے اور انگلستان میں اعلیٰ تعلیم کے لئے سفر بھی اس کے موجودہ حالات سے فرار ہی تصور کیا جاسکتا ہے۔ شاید زندگی کے مسائل اور مشکلات کے پیدا ہونے والے چکر سے فرار حاصل کرنے کی خاطر، افگار انگلستان جانے کے لیے تیار ہو گئی اور جب وہ ہوائی جہاز میں اڑی تو بلندیوں کی طرف پرواز کرتے ہوئے، پہلی مرتبہ نیچے بہت نیچے سمندر کی ڈولتی ہوئی مضطرب وسعت کو دیکھ کر اس کے دل کی بڑی عجیب سی بے چینی پیدا ہوئی، ان بل کھاتے اژدھوں کے نیچے کتنی عمیق گہرائیاں تھیں اور زمین اور آسمان کے درمیان ہوائے دوش پر اس نے اپنے تمام مسائل سے صلح کر لی۔ زمین کے مشکلات اور ہنگامے اب نیچے رہ گئے۔ آسمان اب دور تھا۔

یہ آشتی کی دنیا تھی جسے واقعی کسی آسمانی یا زمینی مسئلے کی پیچیدگی سے آلودہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ تبھی اس کے ذہن کا وہ حصہ جو اذیت سے اوپر اٹھ کر ایک طائرانہ نظر ہر طرف ڈال رہا تھا، ایک بچے کے ذہن کی طرح غور و فکر

سے عاری ہو گیا۔ مسافر نگریوں کے سفر کے بعد اب ایک نئی نگری جارہا تھا، امیدوں اور آرزوؤں کا طوفان لئے، جینے کی مہم سر کرنے کے لئے، اس نے بیٹھے بیٹھے سوچا۔ رات وہ خواہ مخواہ اس حد تک مضطرب ہو گئی۔

اس نئے سفر میں ایک اور آدم ذات چپکے سے اس کی زندگی میں آ داخل ہوا۔ انور کمال، جو خود پسند اور کسی حد تک خوش نما تھا۔ لیکن خالی الذہن نہیں تھا۔ پہلی ہی ملاقات میں وہ افگار کو اچھا لگا۔ شائد مسافر نے کائنات کے ان رازوں کا حل پالیا تھا۔ جو اسے اکثر مضطرب رکھتے تھے۔ شائد مسافر کی منزل آگئی!

ضمنی کرداروں کو بھی ناول نگار نے اپنی جگہ بخوبی سمونے کی کوشش کی ہے۔ ضمنی کرداروں میں منصور، میجر عابد، عرفان، اجیارا، نوین، چچا مراد، دردانہ، فریدہ، نعیم، نرس سند داس، ڈاکٹر زبیری اور وحید بھائی کے کردار نمایاں ہیں۔ یہ کردار واقعات کے مناسبت سے جلوہ گر ہوتے ہیں اور اپنا مقصد پورا کرنے کے بعد چلے جاتے ہیں۔ ان کرداروں میں ایسے کردار بھی شامل ہیں جو شروع سے لے کر آخر تک قدم قدم پر ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں۔ ناول کے کرداروں میں اگرچہ سوز اور خلوص جھلکتا ہے لیکن یہ کردار اپنی قلبی واردات کے لحاظ سے حقیقت پر مبنی نظر نہیں آتے۔ کیونکہ جب نثار عزیز بٹ اپنے نظریات اور خیالات کی پرچار کرتی ہیں۔ تو ایسی (Brain waive) میں چلی جاتی ہیں کہ قاری واقعات کی کڑیاں اور تسلسل کو برقرار رکھنے میں ناکام نظر آتا ہے۔ ضمنی کرداروں میں زیادہ متحرک اور جاندار کردار نعیم اور ڈاکٹر زبیری کا نظر آتا ہے۔ بہر حال ناول کی کہانی مرکزی کردار افگار کے ارد گرد گھومتی ہے۔ یہ کردار اپنے اندر بہت گہرائی لیے ہوئے ہے۔ اس کی نفسیاتی ساخت بہت پیچیدہ ہے۔

نثار عزیز بٹ نے مختلف کرداروں اور واقعات کے تجربات کے سلسلے میں جو ماحول پیش کیا ہے۔ وہ یقیناً ناول نگار کی تخلیقی بصیرت اور ذہانت کی عمدہ مثالیں ہیں۔ قدرتی مناظر کے علاوہ نثار عزیز بٹ نے سنی ٹوریم میں تپ دق کے مریضوں کے مخصوص حالات اور ہسپتال کی غمناک فضا کو بھی ناول میں بخوبی سمویا ہے۔ مثلاً

> ''شام تک دوسرے مریضوں کی تونو کرانیوں کا تانتا بندھا رہا۔ اکثر مریض ایسے تھے جنہیں ابھی بستروں سے اٹھنے کی اجازت نہ تھی۔ یہ سیزن کا آغاز تھا۔ اس لئے وارڈ کے تقریباً سب مریض ابھی ابھی آئے تھے اور بیڈ پیشنٹ تھے۔ نوکرانیاں ہی اس کی خبر لینے کو آسکتی تھیں۔ وہ اس کے پاس آکر اسے اتنے رحم سے دیکھتیں اور کچھ اپنے پر درد لہجے میں تسلی دیتیں کہ اس پر ہوم سکنس کا دورہ پڑ جاتا، ہر عورت کے چہرے

پر اسے درد، دور افتادگی اور قید کے اثرات نظر آتے۔اس کا دکھ ان لوگوں کے لئے ہمدردی سے اور گہرا ہو جاتا''۔(۱۳)

ناول نگار نے منظر نگاری کے ساتھ ساتھ معاشرتی عکاسی بھی کی ہے۔ناول میں معاشرتی رنگ کئی کئی تو بھر پور مشرقی رنگ لیا نظر آتا ہے۔''افگار'' کے لیے جب منصور کا رشتہ آتا ہے تو اس کا شرمانا خالصتاً مشرقی رنگ لیے ہوئی ہے۔ناول میں مشرقی ماحول کے علاوہ مغربی رنگ بھی کہیں کہیں ملتا ہے۔مثلاً لندن و یورپ وغیرہ کے سرسری اور نامکمل سے تذکرے بھی ملتے ہیں اور کسی بھی معاشرت کا صحیح ادراک نہیں ہوتا۔ناول میں یوسف، تنویر، نور، عرفان اور فریدہ کا ملنا مغربی طبقے سے متاثر نظر آتے ہیں۔ناول کی کہانی اور منظر لگاری کو بنیاد بناتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ناول کو یہاں پر مغربی ناولوں سے ملانے کی کوشش کی گئی ہے۔اس حوالے سے ایم۔سلیم الرحمن ایک انگریزی کالم:

> "During a Stopover at some desert airport Afgar the heroine of Nisar Aziz Butt's Novel"Nagri Nagri phara Musafir" which appeared in 1956 notices camels filling past in the Distance they remind her of rubber Hitchens "The garden of Allah" which had moved her intently when she first read."[14]

کالم نگار کی بات کو کسی حد تک درست تسلیم کیا جا سکتا ہے کیونکہ اگر مذکورہ انگریزی ناولوں کا جائزہ لیا جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے۔کہ نثار عزیز بٹ کا ناول ''نگری نگری پھرا مسافر'' کچھ حد تک ان ناولوں سے متاثر نظر آتا ہے اوراس ناول کا مرکزی کردار ''افگار'' اپنی گفتگو میں انگریزی ناول (Hitchens's) کی ہیروئن (Dominion filden)کی طرح محسوس ہوتی ہے کیونکہ انگریزی ناول کی ہیروئن بھی اللہ تعالیٰ اور دنیا کے نظام پر اور تقدیر کے منصوبوں پر اپنے تحفظات کا اظہار کرتی ہے اور افگار بھی کچھ اسی طرح کے تحفظات کا اظہار کرتی ہیں۔مثلاً افگار اور اور اس کی چچی دردانہ کے درمیان ہونے والی گفتگو ملاحظہ کریں:

> ''حالات کے سامنے بے بس کون نہیں ہوا۔قسمت کا لکھا آپ مٹا سکتی ہیں۔افگار نے دردانہ کے خیالات کی سمت میں چلتے ہوئے کہا۔'' میں تقدیر کے قلم زن کی قلم نہ

توڑدوں۔ جس نے تقدیر میں یہ لکھا ہو۔''وہی منطق وہی اندازے اور تناسب سے بڑھ کر مخالفت ، وہی دیوانہ جذباتیت ، افگار نے تھک کر سوچا۔ میں حیران ہوں کہ تمھارا کیا ہو گا۔ دردانہ نے اچانک دکھ سے کہا۔(۱۵)

یوں کسی حد تک کہا جا سکتا ہے کہ ''نگری نگری پھرا مسافر'' کا مرکزی کردار افگار کچھ بحثوں اور نظریات میں انگریزی ناول'' Hitchens's'' کی ہیروئن کی طرح نظر آتی ہیں اور ان کے نظریات میں ایک حد تک ہم آہنگی دیکھی جا سکتی ہے۔ تاہم افگار اپنے نظریات میں منفرد ہے۔

''نگری نگری پھرا مسافر'' کی زبان سادہ اور رواں ہے اور اس ناول میں کرداروں کی صلاحیت کے مطابق زبان استعمال کی گئی ہے۔ناول نگار کا تعلق چونکہ خیبر پختونخوا سے ہے۔ اور یہاں کی مقامی زبان کا اثر دکھائی دیتا ہے،اس لئے ان کے ناول میں زبان کی خوبیوں کے ساتھ کئی سقم بھی ہیں۔ تاہم انھوں نے اپنی فنی وفکری پختگی کا ثبوت دیا ہے،اس ناول میں کرداروں کے درمیان بحثیں اور بیانات ذہانت سے بھرپور نظر آتے ہیں۔ ان کے کرداروں کی فلسفیانہ باتیں مسلسل جاری ساری رہتی ہیں، لیکن ایک منفرد اور خاص طریقے سے یہ مکالمے جاری رہتے ہیں۔ مثلاً

''خدا کا وجود ہے۔۔۔ لیکن مذہب فضول چیز ہے۔ عرفان تکرار کر رہا تھا۔اورافگار مصر تھی کہ مذہب یقین کے سوا اور کچھ نہیں۔۔ آپ کا یہ کہنا بھی ہے کہ مذہب فضول چیز ہے۔اور خدا موجود ہے۔۔۔۔ایک یقین اور اس لئے بذاتِ خود مذہب موجود ہے۔ پھر زندہ رہنے کے لئے کوئی سہارا چاہیے، خدا ہی سہی۔ اس نکتے پر پہنچ کر عرفان نے اچانک اتفاق کر لیا۔ ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔'' (۱۶)

افگار جو'' نگری نگری پھرا مسافر''کا مرکزی کردار ہے۔ کئی مقامات پر اپنے احساسات دوسروں تک پہنچنے کے لیے اشعار اور نظموں کا سہارا لیتی ہیں۔ ناول کے مندرجہ بالا اقتباس سے بھی ناول کے نثر اور زبان وبیان پر شعریت کا اثر غالب نظر آتا ہے ناول کے اس نقطہ نظر سے اختلاف کرتے ہوئے مدیر ''قندیل''نے ناول کے اسلوب وبیان کو ایک الگ نظر سے دیکھا ہے۔ ان کے بقول:

''اس ناول میں نہ رنگینی ہے۔ نہ عریانی، نہ شاعری، نہ انشاء پردازی مگر اس سب کے با وجود بحیثیت مجموعی ناول بے حد دلچسپ ہے۔ سب سے بڑی خوبی اس کی سادگی اور خلوص ہے۔ اتنا بھرپور خلوص کہ ناول پر آپ بیتی کا گمان ہوتا ہے۔'' (۱۷)

مجموعی طور پر اس ناول میں خلوص کی کمی نہیں اور اگر کسی فن پارے میں خلوص موجود ہو تو وہ فن کار اور فن پارہ یقیناً ادب میں خاص مقام پاتا ہے اور ہمیشہ زندہ رہنے والے کلاسیک کا درجہ اختیار کر لیتا ہے۔ نثار عزیز بٹ کے ناول میں خلوص اور اپنے کام کے ساتھ سچی لگن جابجا جھلکتی ہے۔ اگرچہ پوری طرح مدیر قندیل کے رائے سے اتفاق کرنا ممکن نہیں۔ تاہم سادگی اور خلوص سے انکار ممکن نہیں۔ ناول میں رنگینی اور انشاء پردازی کی ایک خاص سطح بھی دیکھائی دیتی ہے لیکن فاصل نقاد شاید اس نقطے تک رسائی نہیں رکھتے کیونکہ رنگینی اور انشاپردازی صرف لفاظی کو نہیں کہتے۔ سادگی اور خیال آرائی میں جو خوبصورتی ہونی چاہیے۔ وہ اس ناول کے ایک ایک سطر سے سادگی، خلوص اور خیال آرائی جھلکتی نظر آتی ہے۔

ناول میں تجسس کی فضا کو برقرار رکھا ہے کیونکہ قاری مسلسل حیرت و تذبذب کا شکار رہتا ہے اور یہ سوچتا ہے۔ کہ اب کیا ہوگا؟ ناول کے آخر تک وہ یہ خوبی قائم رہتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ میراجی کلیات میراجی مرتب: ڈاکٹر جمیل جالبی اردو مرکز لندن ۱۹۸۸ء ۱۹۷

۲۔ میرزا ادیب پیش لفظ، نگری نگری پھرا مسافر مکتبہ اردو، لاہور ۱۹۸۶ء ۹

۳۔ عبدالسلام ڈاکٹر ہمارا اُردو ناول منزل بہ منزل قمر گھر، اردو بازار کراچی ۱۹۹۰ء ۲۱

۴۔ ممتاز خان ڈاکٹر اُردو ناول کرداروں کا حیرت کدہ س۔ن

۵۔ مرزا ادیب پیش لفظ، نگری نگری پھرا مسافر مکتبہ اردو، لاہور ۱۹۸۶ء ۱۰

۶۔ عبدالسلام ڈاکٹر ہمارا اُردو ناول منزل بہ منزل قمر گھر، اردو بازار کراچی ۱۹۹۰ء ۲۳

۷۔ عبدالسلام ڈاکٹر ہمارا اُردو ناول منزل بہ منزل قمر گھر، اردو بازار کراچی ۱۹۹۰ء ۳۷۔۳۸

۸۔ نثار عزیز بٹ مجموعہ نثار عزیز بٹ سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۰۹ء ۱۵۶

۹۔ نثار عزیز بٹ مجموعہ نثار عزیز بٹ سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۰۹ء ۱۸۱

۱۰۔ نیلم(راقمہ) نثار عزیز سے انٹرویو مقام:لاہور ۱۵،۱۶اکتوبر ۲۰۱۴ء
۱۱۔ نثار عزیز بٹ مجموعہ نثار عزیز بٹ سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور ۲۰۰۹ء ۱۸۳
۱۲۔ خالد اشرف ڈاکٹر برصغیر میں اردو ناول تقسیم کار،ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس کوچہ پنڈت دہلی ۱۹۹۴ء ۱۳۶
۱۳۔ نثار عزیز بٹ مجموعہ نثار عزیز بٹ سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور ۲۰۰۹ء ۵۴
۱۴۔ ایم۔ سلیم الرحمن کالم(Living it throgh)دی پاکستان ٹائمز لاہور ۲۱ دسمبر ۱۹۸۱ء
۱۵۔ نثار عزیز بٹ مجموعہ نثار عزیز بٹ سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور ۲۰۰۹ء ۳۱۳۔۳۱۴
۱۶۔ نثار عزیز بٹ مجموعہ نثار عزیز بٹ سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور ۲۰۰۹ء ۲۲۳
۱۷۔ مدیر قندیل،مکتبہ اُردو لاہور،رسالہ ''نگری نگری پھرا مسافر''۵جون ۱۹۵۵ء